حیاتِ انسانی کا مقام

رُوح اور نیچر کے تسلسل میں

از

ڈبلیو ہیٹلر (W. HEITLER)

ترجمہ : خورشید رضوی

دوسری قسط

(۴)

ہم ارتقاء کے ایک مسئلے سے بات کا آغاز کرتے ہیں :-

"رویوں کی مشابہتیں بذاتِ خود کسی باہمی رشتے کی دلیل نہیں ہوا کرتیں"

بالفرض اگر انسان اور بندروں کے اجداد ایک بھی تھے ——— (جو ابھی کسی طرح مسلّم الثبوت نہیں) ——— تو بھی موجودہ علم کی رُو سے یہ کوئی تیس ملین (یعنی تین کروڑ) سال پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ انسان اور بندر میں قریبی رشتہ نہیں ہے۔ یا اگر اسے ایک حقیقت فرض کر ہی لیا جائے تب بھی زمانی اعتبار سے یہ یقیناً بہت ہی دُور کی بات ہے :

یہ دعویٰ دو ٹوک انداز میں کیا جا سکتا ہے کہ انسان ایک ذہین قسم کا بندر نہیں ہے۔ وہ اپنی ہیئتِ ترکیبی کے اعتبار سے ہر حیوان سے مختلف ہے۔ اس کا سبب صرف اوزاروں کی ایجاد نہیں۔ بلکہ یہ امتیاز ایک اور سطح کا امتیاز ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے ذہن وخیال (MIND) سے نوازا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے ایک ایسا آلہ عطا ہوا ہے جو اسے ذہن و روح کی دنیا کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھ لینے کے قابل بناتا ہے۔ ریاضیاتی تعقل کے مسئلے پر

بات کرتے ہوئے ہم اس مسئلے کو پہلے بھی زیرِ بحث لا چکے ہیں۔

تاہم یہ مسئلہ، بطورِ آغاز، بالکل ہی سیدھا سادا اور عام سا ہے۔ ایک انسان فقرہ چُست کر سکتا ہے یا مثلاً، ایک استاد کی حیثیت سے مشقی کا پیاں جانچ سکتا ہے۔ زبان سے ادا ہونے والا ہر جملہ، خواہ کتنا ہی عام سا کیوں نہ ہو، خالصتہً انسانی شے ہے۔ کوئی بندر کاپیاں نہیں جانچ سکتا۔ اگرچہ جانوروں کے مابین ابلاغ ——— (بلکہ انسان اور حیوان کے مابین بھی) ——— واضح طور پر موجود ہے۔ تاہم تصوری زبان (CONCEPTUAL LANGUAGE) صرف انسانی خاصّہ ہے اور فقط انسانوں ہی کے مابین ممکن ہے۔ ہم اس نکتے کا جائزہ آگے چل کر پھر لیں گے۔

ایک مثال یہ لیجئے کہ ذہن و روح ارفع ظہور میں وہ سائنسی بصیرت بھی شامل ہے جو کسی تخلیقی انسان کو بطور وجدان ودیعت ہوتی ہے تاہم کوئی اور انسان بھی جو اس بصیرت کے اخذ و قبول کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کا اکتساب کر سکتا ہے۔ ایک طفلِ مکتب جو بعد از خرابیٔ بسیار یہ سمجھنے میں کامیاب ہو گیا کہ دو ضرب تین اور تین ضرب دو مساوی ہوتے ہیں، اس کے ذہن میں بھی ماورائے عالم کی جانب ایک ننھا سا دریچہ کھل گیا ہے۔ ذہن کی یہ بے انت دنیا ان سب کے لئے بھی کھلی ہے جو فن (ART) کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ذہنی و روحانی ادراک کے مزید ارفع تر مدارج بھی موجود ہیں۔ انسانی ذہن کی رسائی کی حدود ان روشن دماغوں اور الہامات تک پہنچتی ہیں جو عظیم ترین انسانوں کو ارزانی ہوئے بطور نمونہ چند ایک نام مثلاً موسیٰؑ، بدھ، سینٹ پال، اور دانتے، لئے جا سکتے ہیں۔ اور بعض کے تو نام تک ہمارے علم میں نہیں۔ انسان اور حیوان کے مابین امتیاز پر بحث کرتے ہوئے ہمیں ان عظیم شخصیات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ آخر یہ سب زندہ و موجود انسان تھے۔ بحث کو رفیقوں کے صرف ادنیٰ مدارج تک محدود کر لینا غیر سائنسی طریق کار ہے۔

انسانی ذہن (MIND)، جسم میں بھی جاری و ساری ہے۔ بادی النظر میں انسانی جسم، کسی حد تک، ایک دودھ پلانے والے جانور (MAMMAL) سے مشابہت رکھتا رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ، ذہن کے لئے ایک ظرف کا کام بھی دیتا ہے، یہ

حقیقت نہ صرف دماغ کے برتر حجم سے آشکارا ہے بلکہ بعض دوسرے بنیادی امتیازات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر انسانی حنجرہ (LARYNX)، پوری حیوانی دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ صرف انسانی حنجرہ ہی گفتار کا حامل ہو سکتا ہے۔ روحانی عطیات اور روحانی تقاضے، جسمانی ساخت سے ہم کنار نظر آتے ہیں۔

روح یا جسم نہ صرف جسم میں سرایت رکھتا ہے بلکہ اس سے قبل کے مدارج کے تمام تر قوانین و نتائج پر تفوق بھی حاصل کر لیتا ہے۔ جبکہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں، میری انگلیاں اور میرے جسم کے اور کئی اعضاء حرکت کر رہے ہیں۔ یہ سب ایسے انداز میں متحرک ہیں کہ جن خیالات کا میں اظہار چاہتا ہوں ان کا اظہار تحریر میں ہو سکے۔ یہ تصور کرنا سخت مضحکہ خیز ہو گا کہ انگلیوں کی یہ حرکت محض قوانینِ طبعیات یا محض حیاتیاتی و نباتاتی قوانین کے تابع ہے۔ یہی بات اس وقت بھی صادق آتی ہے جب میں بولتا ہوں یا پیانو بجاتا ہوں۔ میرے خیالات دانشمندانہ ہوں یا احمقانہ —— یہ خارج از بحث ہے ...... وہ بہر حال ایک "ذہنی عمل" ہیں۔

یعنی اب ہمارے سامنے پھر تاثیرات کی ایک نئی ترتیب ابھر آئی ہے۔ جو گزشتہ تینوں سلسلۂ مراتب پر فائق ہیں۔ یہ چوتھی ترتیب انسانی ذہن یا روح ہے۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جسم انسانی حیاتیت کی ایک بالاتر سطح پر فائز ہو چکا ہے —— یعنی ذہن یا روح کے سریان کی سطح۔ اس مسئلے پر مزید بحث آگے آتی ہے۔

اس طرح انسان بیک وقت چار مختلف نوعیت کی دنیاؤں کا مکیں ہے۔ وہ عالم مادے میں بھی شریک ہے۔ نباتی سطح حیات میں بھی، نفسی سطح زلیست میں بھی، اور عالم ذہن و روح میں بھی۔ یہ چاروں دنیائیں بہر رنگ و بہر حال، روزمرہ زندگی میں انسان کے اندر "ناقابل تجزیہ کل" کی صورت میں باہم آمیز ہوتی رہتی ہیں۔

چنانچہ بنیادی طور پر بنی نوع انسان پر اثر انداز ہونے کی بھی چار مختلف صورتیں ہیں۔ مثال کے طور پر علاج ہی کو لے لیجئے۔ دنیا بھر میں آج جو طریق رائج ہے وہ خالصتہً مادی ہے، یعنی کیمیاوی و طبعی اثر اندازی۔ یہ ہماری سائنس کے عین حسبِ حال ہے جس کی تشکیل

ہی ایک ایسی جہت میں ہوئی ہے جس پر مادیت کا غلبہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ سائیکی کی وساطت سے اثر اندازی ـــــ یعنی نفسیاتی علاج (PSYCHOTHERAPY) بھی بہت اہمیت حاصل کر گیا ہے۔ وہ طریقِ علاج جو براہ راست نباتی سطحِ حیات پر اثر ڈالتا ہے کس مپرسی کے عالم میں ہے۔ بایں ہمہ وہ ازحد خوشگوار شے ہو سکتی ہے۔ اس جہت میں ہومیوپیتھی اور نیچروپیتھی کے دعاوی کس حد تک حق بجانب ہیں یہ میرے حیطۂ علم سے باہر ہے .... شاید علاج بالموسیقی جیسے طریق کو علاج بالذّہن یا علاج بالرّوح کی ایک صورت تصور کیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا اشارات محض اس لئے ہیں کہ مزید افکار کو مہمیز کر سکیں۔

(۵)

ہنوز بہت کچھ باقی ہے جو بنیادی طور پر انسان کو حیوانوں سے متمیّز کرتا ہے۔ ہم صرف چیدہ چیدہ خصوصیات پر ہی بات کر سکتے ہیں۔ کم از کم دو خصوصیات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ صرف انسان ہی کو انفرادی ضمیر عطا ہوا ہے۔ انسان جانتا ہے، یا جان سکتا ہے کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔ ہم کسی جانور کو دوسرے جانور کے پھاڑ کھانے پر موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے اس کے پاس کوئی اور متبادل طرزِ عمل سرے سے ہی نہیں۔ اس کی ہیئتِ ترکیبی میں پھاڑ کھانے کا ایک جبری تقاضا مضمر ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت سے انسانوں کے ضمیر از حد غیر ترقی یافتہ یا سرے سے ناترقی یافتہ ہوتے ہیں جبکہ بعض لوگ غیر معمولی حد تک قوی ضمیر کے مالک ہوتے ہیں۔ بہرحال ایک افتادِ طبع کے طور پر یہ خالصتہً ایک انسانی وصف ہے۔

ایک اور وصف جو لائقِ ذکر ہے، "شعورِ ذات" ہے ـــــ اپنی شناخت کا شعور ـــــ یہ کہ "میں میں ہوں، کوئی دوسرا نہیں ہوں"۔ اس بات کی قطعاً کوئی شہادت نہیں مل سکتی کہ حیوانوں کو بھی ایسا کوئی شعور حاصل ہے۔ انسان اپنی ذات کا جائزہ لینے پر قادر ہے۔ اور اس کی شہادت حرف و زبان (LANGUAGE) سے مہیا کرتا ہے اور یہ وہ شے ہے جس سے حیوانات قاصر ہیں۔ انسانوں میں شعورِ ذات کی یہ کیفیت کمی بیشی کے اعتبار سے بہت تفاوت رکھتی ہے۔ عامی سطح کا انسان جس قسم کا مظہر ہے، اس کے پیشِ نظر تو بسا اوقات اس امر میں بھی

شک آن پڑتا ہے کہ آیا مکمل انسانی انفرادیت سے سب انسانوں متصف سمجھا بھی جا سکتا ہے یا نہیں ــــ دوسری طرف ایسے انسان بھی ہیں جن کی انفرادیت حد درجہ بھرپور اور نمایاں ہے۔ ــــ (اسے انانیت اور خود مرکزیت کے مترادف نہ سمجھا جائے) ــــ نابینا فرانسیسی فلسفی، JAQUES LUSS۔ EYRAN ــــ نے اپنے رسالے "AGAINST THE POLLUTION OF EGO" میں کمزور یا مضبوط خودی (EGO) رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ "خودی" یا "ذات" ہی ذہنی و روحانی انسان کا اصل جوہر ہے۔

یہ امر یقینی نظر آتا ہے کہ انسان کے اس نوخیز شعورِ ذات ہی نے اسے اس کی انفرادی شخصیت کے لافانی ہونے کا ایقان مہیا کیا ہے۔ قبروں میں پائی جانے والی اشیاء سے اس امر کی نشاندہی ہوئی ہے کہ وسط حجری انسان (NEANDERTHAL MAN) بھی حیات بعد الممات پر یقین رکھتا تھا۔ یہی یقین، قریب قریب سبھی تہذیبوں میں مروج و مسلم رہا۔ اور شاید آج کی تہذیب ہی وہ واحد تہذیب ہے جس میں یہ رو بہ زوال ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ انسان کے حوالے سے، خصوصاً معالجین کے نقطۂ نظر سے ازحد اہم ہے لہٰذا اس پر گہری نظر ڈالنا ضروری ہے۔

ہم نے جسم اور ذہن و روح کے ادغام و اتحاد کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ بادی النظر میں مادی و جسمانی وجود سے الگ کسی سطحِ زندگی کے تصور سے متصادم دکھائی دیتا ہے۔ تاہم یہ استنتاج یکسر غلط ہوگا کہ جسم و روح کا یہی مخصوص ارتباط، انسانی وجود کی واحد ممکن صورت ہے۔ انسان کی ارضی و جسمانی زندگی کے خطوط، بعض دوسری اشکالِ وجود کو محال نہیں ٹھہراتے اور اس ضمن میں ہم ــــ اور مذہبی حلقے ــــ دونوں ہی اس غلط استنتاج کے خطرے سے دوچار ہیں۔

ہزاروں برس کی تاریخ ادیان، جسے لاتعداد حاملینِ وحی و عرفان کی تائید حاصل ہے، حیات بعد الممات کی تصدیق کرتی ہے۔ ہمیں اس بحث میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ روزمرہ موت و حیات بھی اس امر کے روشن دلائل مہیا کرتی ہے کہ بنی نوعِ انسان یقینی طور پر ایک غیر مادی وجود بھی رکھتے ہیں۔ یہ دلائل قریب قریب، قطعی ثبوت کے ہم پلہ ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرتے ہوئے لوگ جو کافی دیر سے بیہوش پڑے ہوتے ہیں، موت سے فوراً پہلے سنبھالا

لے کر مکمل طور پر ہوش میں آجاتے ہیں اور اپنی شخصیت کا بھرپور اور ہمہ پہلو اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایک ایسے جسم میں رونما ہوتا ہے جو یکسر تباہ شدہ اور لبِ مرگ ہے۔

اس ضمن میں ایک واقعے سے میں خاص طور پر متاثر ہوا جو کچھ ہی عرصہ ہوا میرے علم میں آیا۔ ذہنی طور پر معذور ایک نوجوان عورت جو اپنی بیس سالہ مبہم سی سطحِ حیات میں کبھی ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائی تھی اور بظاہر اس نے اپنے گردوپیش میں کبھی خفیف سی دلچسپی بھی نہ لی تھی ــــــ اپنی موت سے آدھ گھنٹہ بیشتر اچانک وہ نوحے گانے لگی جو ــــــ (دوسروں کے ساتھ اس کے ادارے میں گائے جاتے رہے تھے۔ اس کے معالج کے بقول وہ ایک زبردست مخی خلل (CERBRAL DEFECT) میں مبتلا تھی۔ گویا جسمانی سطح پر ایک اساسی خلل موجود تھا لیکن پھر بھی، ظاہر ہے کہ، انسانی جوہر نابود نہ ہو سکا تھا۔ ...... صرف انسان ہی گانے گا سکتا ہے، اور یہ تمیز کر سکتا ہے کہ کونسا گانا کس موقع و محل سے مناسبت رکھتا ہے تاہم یہ صحیح سالم انسانی جوہر اس خاتون کی ساری زندگی میں، ناقص جسم سے خدمت لینے اور اس کے وسیلے سے اپنا اظہار کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ صرف موت کی گھڑی میں اس جوہر کو جسم پر تصرف حاصل ہوا ــــــ صرف ایک بار ــــــ صرف آدھ گھنٹے کے لئے ......

اور اس طرح اس نے اپنی انتہائی قوت کا اظہار عین موت کی گھڑی میں کیا۔ جب جسمانی عنصر مرحلۂ انتقال میں ہوتا ہے اس لمحے باطنی انسانی جوہر اوپر اٹھ کر اقتدار کی ایک بالاتر سطح پر فائز ہو جانا چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ موت دراصل فراقِ جسم ہے نہ کہ فنائے کامل۔ بصورتِ دیگر زندگی کے اختتام سے فوراً قبل اس خصوصی توانائی کی کیا توجیہ پیش کی جا سکتی ہے۔

(۶)

آئیے ایک بار پھر حقیقت الوجود کی ان سطحوں کا جائزہ لیں اور ان کی آفرینش اور نشوونما کی داستان کا کھوج لگائیں۔

طبیعیات کے جو قوانین ہمارے علم میں ہیں ان کی بنیاد پر ارتقائے کائنات سے متعلق

ماضی میں کسی مخصوص وقت کی تعیین من مانے انداز میں کر ڈالنا ممکن نہیں ۔۔۔ اب تک مسلسل کائنات میں طبیعیاتی قوانین کی حجیت مسلّم سمجھی جاتی رہی ہے۔ لیکن اگر زمان پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالی جائے تو بالآخر تیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ ملین سال قبل تک کے دور میں ایک مرحلہ انتہائی انفجاری میلان (MAXIMUM EXPLOSIVE TENDENCY) کا آتا ہے جس سے قبل کوئی "قبل" نہیں ہو سکتا۔ سائنس کی مبہم اصطلاح میں اس مرحلے کو "BIG BANG" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ یادگار مرحلہ خود طبیعیاتی قوانین کا بلکہ غالباً خود اس شے کا بھی سرچشمہ تھا جسے عرفِ عام میں "وقت" کہتے ہیں۔ سائنس اس واقعہ کا فہم حاصل کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ سائنسی فہم کا تقاضا یہ ہے کہ مخصوص قوانین کی اصطلاح میں کسی شے کی توضیح مہیا کی جائے۔ لیکن خود قوانین کی آفرینش توضیح کے دائرے سے باہر ہے۔

سادہ ابتدائی شکلِ حیات غالباً روئے زمین پر ایک یا دو ہزار ملین سال سے موجود ہے۔ نباتی و حیوانی زندگی کے قدیم ثابت شدہ، آثار جو ہمیں مل سکے ہیں تقریباً چھ سو ملین سال پہلے تک کے ہیں ۔۔۔ (یہ ہمیں حتمی طور پر معلوم نہیں کہ نباتی و حیوانی زندگی کا ظہور یکبارگی ہوا یا یکے بعد دیگرے) ۔۔۔ اس کے بعد زندگی نے جسترون اور زندوں کی صورت میں منازلِ ارتقاء طے کرنی شروع کیں ۔۔۔ (اگر لفظِ "ارتقاء" کو ہم یہاں کچھ دیر کے لئے جائز تصور کر لیں) ۔۔۔ اور بالآخر آج کی از حد ترقی یافتہ اشکال یعنی پھلنے پھولنے اشجار، اور دودھ پلانے والے حیوانات تک پہنچ گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، نسلی ارتقائی شجرے میں نسلِ انسانی کم از کم تیس ملین سال قبل حیوانات سے جدا ہوئی ۔۔۔ (اگر نسلِ انسانی فی الواقع یکسر جداگانہ طور پر نمو پذیر نہیں ہوئی تو.....) ۔۔۔ پہلے پہل انسان کی ابتدائی صورتیں سامنے آئیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کون سے مرحلے پر ہم انسانی ذہن یا روح کے وقوع کا حکم لگا سکتے ہیں البتہ آخری ایک لاکھ برس کے لگ بھگ عرصے پر اس کا اطلاق یقیناً ہوتا ہے۔ (مثلاً وسط حجری انسان جس کا دور کوئی ستر ہزار برس پہلے کا ہے) اس سے بیشتر کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ۔۔۔ اور اوزاروں کی تشکیل کوئی برہان قاطع نہیں۔

حقیقت الوجود کے اعتبار سے مختلف مدارج کا آغاز سلسلہ وار ہوا یا پھر ان کا ظہور روئے زمین